پروفیسر طفیل واڑا

اقبال اور حیدر آباد (دکن) کی ملازمت کا مسئلہ

—— دوسری اور آخری قسط ——

اقبال کی مالی حالت اچھی نہ تھی۔ اس کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے خود ان کے دو خطوط سے متعلقہ حصے پیش کیے جاتے ہیں۔ پہلا حصہ اس خط سے ہے جو اقبال نے گرامی کو لکھا، اور دوسرا حصہ اس خط سے ہے جو انھوں نے مہاراجہ سرکشن پرشاد کو تحریر کیا تھا۔

"... ترکوں کے ساتھ اتحادیوں کا جو عہد نامہ ہوا تھا، اس کی رو سے مقاماتِ مقدسہ، فلسطین و شام کے لیے ایک کمیشن مقرر ہونے والی ہے، جس کے ممبر مسلمان، عیسائی و یہودی ہوں گے۔ گورنمنٹ نے مجھ سے دریافت کیا تھا کہ آیا میں اس کمیشن کا ممبر بننا قبول کر سکتا ہوں! اس کمیشن کے اجلاس مقام یروشلم میں ہوں گے اور دو تین سال میں متعدد بار یہاں سے یروشلم جانا پڑے گا۔ بعد کامل غور آج میں نے فیصلہ کر دیا ہے کہ میں اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ گورنمنٹ کی خدمت میں بھی آج جواب لکھ دیا جائے گا۔ انکار کی وجوہ مفصل پھر عرض کروں گا، جب ملاقات ہوگی، خط میں لکھنا مناسب نہیں..." (خط فروری ۱۹۲۱ء)[1]

اقبالؒ کے اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے عبداللہ قریشی صاحب نے لکھا ہے۔

"اقبال کے ایک اور خط سے جو ۲۲ فروری ۱۹۲۲ء کو انھوں نے مہاراجہ سرکشن پرشاد کے نام لکھا، اس عہد نامے اور کمیشن کے متعلق کچھ مزید معلومات حاصل ہوئی ہیں، اس لیے اس کا اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے:

"ہندوستان سے باہر سفر کرنے کے متعلق عرض یہ ہے کہ عہد نامہ سورے کی رو سے ایک کمیشن مقرر ہوگی جو مقاماتِ مقدسہ کے متعلق تنازعات کا فیصلہ کرے گی۔ اس کمیشن کے ممبر مسلمان ہوں گے۔ گورنمنٹ نے مجھے مقرر کرنے کا ارادہ کیا تھا اور مجھ سے میرا عندیہ دریافت کیا تھا، مگر مالی مشکلات سے مجبور ہو کر مجھے یہ آفر نامنظور کرنا پڑی۔ یہ رائل کمیشن ہوگی اور اس کمیشن کے ممبروں کو قاعدہ کی رو سے سوائے اخراجاتِ سفر کے اور کوئی معاوضہ

---

[1] مکاتیبِ اقبال بنام گرامی۔ مرتبہ عبداللہ قریشی۔ ص ۱۹۴

نہیں ملتا۔ چوں کہ میں دولت مند آدمی نہیں ہوں اور یہ کام تقریباً دو سال جاری رہے گا اور اجلاسوں کے لیے ہر سال فلسطین جانا پڑے گا، اس واسطے مجبوراً بادلِ نخواستہ مجھے انکار کرنا پڑا۔ میر حسن امام بھی ایک ایسی ہی کمیشن پر گئے تھے، مگر وہ وسائلِ مالی کے اعتبار سے اس کام کو نبھا سکتے تھے، میرے حالات مختلف ہیں۔ مجھ سے ایک بہت بڑی مالی قربانی کے بغیر جس کا میں حالاتِ موجودہ میں متحمل نہیں ہو سکتا، یہ کام نہیں ہو سکتا۔"

اقبال کو اسلام سے عشق تھا اور مسلمانوں کی بہتری کے شیدا۔ مقاماتِ مقدسہ کے سلسلے میں جو کمیشن مقرر ہونا قرار پایا تھا، اس میں اقبال کی شمولیت ایک تو ان کو اس قابل بناتی تھی کہ وہ دنیا بھر کے مسلمانوں اور خصوصاً عرب مسلم بھائیوں کی بہتری کے لیے اپنی اخوت و محبت کا عملی مظاہرہ کر سکتے۔ دوسرے عالمِ اسلام کی نگاہوں میں اقبال کے لیے یہ ایک اعزاز بھی ہوتا، مگر افسوس کہ انھوں نے صرف اپنی کمزور مالی حالت کی وجہ سے اس کمیشن کا رکن بننے سے انکار کیا۔ یہ انکار کرتے وقت انھیں کتنا قلق ہوا ہوگا، مسلمان قوم اس سے شاید نہ اس وقت واقف تھی اور نہ آج، ورنہ اس وقت کے مسلمان انھیں اس کمیشن کا رکن بننے سے معذور رہنے کی وجہ سے بچا لیتے، اور اگر اس وقت ایسا نہ ہوا تو کم از کم آج کے مسلمان اقبال کے اس قلق کو قلبِ قوم کا قلق سمجھ کر اس کا ذکر کرتے اور آئندہ کے لیے اس سے سبق حاصل کرتے، مگر دونوں میں سے ایک بات بھی نہیں ہوئی۔ زندہ قوموں کے نقطۂ نگاہ سے یہ مقامِ حیرت بھی ہے اور قابلِ افسوس بھی۔

اقبال نے جس خط میں حیدری کی پیش کش کا تفصیلی ذکر کیا تھا، اس کے جواب میں مہاراجہ شاد نے یہ لکھا:

"آپ نے میرے جس مشورے کا شکریہ ادا کیا ہے، میں اس شکریہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ قانون کی پروفیسری، پرائیویٹ پریکٹس کے ساتھ پبلک کی نفع بخش کامیابی کے علاوہ آپ کی بھی ترقی کے اسرار سے مملو ہے۔ مثلاً دنیا میں ہر پیشے و فن کی انھیں لوگوں کے حصے میں کامیابی رہتی ہے جو موافقتِ زمانہ کے قوانین کو پیشِ نظر رکھ کر مشغولِ کار رہتے ہیں۔ سنا گیا ہے کہ میرِ مجلس کی کرسی پر نظامتِ جنگ بہادر فی الحال کرسی نشیں ہیں۔" (خط ۲۲ اگست ۱۹۲۲ء)

اس کے بعد ایک خط میں اقبال لکھتے ہیں:

"... گرما کی تعطیلوں میں حیدر آباد کا سفر آسان تھا اور اب یہ سفر تقریباً دو ہزار روپے کے نقصان کا مترادف ہے۔ اگر حیدری صاحب کے خطوط سے کوئی امیدِ خاص میرے دل میں پیدا ہوتی، تو میں اس نقصان کا متحمل ہو جاتا، لیکن اس وقت تک جو خطوط ان کی طرف سے آئے ہیں، ان میں کوئی خاص بات نہیں،

سوائے اس کے کہ انھوں نے مجھ سے تنخواہ کے بارے میں استفسار کیا تھا جس کا جواب میں نے ان کو دے دیا تھا۔ علاوہ اس کے مجھے اور ذرائع سے معلوم ہوا کہ ابھی میری وہاں ضرورت نہیں۔ حیدری صاحب اس وقت مجھے صرف اس واسطے بلاتے ہیں کہ یونیورسٹی سے متعلق مجھ سے گفتگو کریں، اور نیز ملاقات کے لیے اور کوئی غرض ان کے خطوط سے معلوم نہیں ہوتی۔ محض اس غرض سے کہ وہ مجھ سے یونیورسٹی اسکیم کی مفصل گفتگو کر سکیں یا محض ان کی ملاقات کے لیے، میں اپنے موجودہ حالات میں اس قدر اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکتا، چنانچہ میں نے صاف طور سے ان کی خدمت میں لکھ بھی دیا ہے کہ گرمی کی تعطیلوں میں آتا تو صرف آمد و رفت کے اخراجات تھے، اس کے نقصان کا اندیشہ نہ تھا لیکن اب جب کہ عدالتیں کھل گئی ہیں تو صورتِ حال مختلف ہو گئی ہے۔ اس وقت میرا خیال یہ تھا کہ اگر وہاں کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی تو کم از کم سرکار کے آستانے کی حاضری ہی سہی، لیکن اب ان حالات میں جب کہ حیدری صاحب کے خطوط کسی قسم کی امید پیدا نہیں کرتے بلکہ محض تفننِ طبع کے لیے حیدرآباد کی دعوت دیتے ہیں، اس قدر نقصان برداشت کرنا میرے امکان سے باہر ہے۔

"ان کا تار پھر آیا تھا کہ آؤ اور میں نے ان کو تار دیا تھا کہ اکتوبر کے دوسرے ہفتے میں آسکوں گا۔ اس کے بعد انھوں نے صحیح تاریخ روانگی بذریعہ تار مانگی اور میں نے جواب دیا کہ گیارہ اکتوبر کو یہاں سے سفر کروں گا، لیکن بعد میں ایک مقدمہ کی وجہ سے رک گیا، چنانچہ میں نے ان کی خدمت میں عریضہ لکھا ہے کہ ایک مقدمے کے لیے، جس کو میں نے قبول کر لیا ہے، ۱۵ اکتوبر کے روز مجھے لاہور میں ہونا چاہیے اس واسطے گیارہ کو یہاں سے روانہ نہ ہو سکوں گا۔ اس کے بعد مجھے حیدری صاحب کا خط ملا، جس میں وہ لکھتے ہیں کہ اکتوبر کے بجائے نومبر میں آئیے۔ نومبر میں حیدرآباد کا سفر کرنا مذکورہ بالا وجوہ سے مشکل معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال اگر ممکن ہوا تو میں وہاں پر حاضر ہوں گا۔۔۔"[3]

جب ۱۹۳۵ء میں سر سید احمد خاں کے پوتے راس مسعود نے اقبال کے واسطے حیدرآباد دکن کی ریاست سے ماہوار وظیفہ حاصل کرنے کی کوشش کی اور اقبال کو اس کا علم ہوا، تو انھوں نے اپنے ۱۹۱۷ء میں حیدرآباد دکن کی بجی کے تجربے کی روشنی میں راس مسعود کو لکھا:

۲؎ تعطیلات میں عدالتیں بند ہونے کی وجہ سے مؤکلوں کا کام نہیں کرنا ہوتا۔

۳؎ شاد اقبال - مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، ص ۹۶-۹۷

"... گو میں آپ سے چھپا نہیں سکتا کہ مجھے اس طرف سے ناامیدی ہے۔[۵۴]

اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے صبا لکھنوی صاحب لکھتے ہیں:

"... انھیں (اقبال) حیدر آباد کی الجھی ہوئی سیاست اور حیدر آبادی اور غیر حیدر آبادی کے نعروں سے آلودہ فضا کا بخوبی اندازہ ہو چکا تھا...[۵۵]"

اقبال کے اوپر والے خط کے جواب میں شاد نے لکھا:

"میں نے جو کچھ لکھا تھا وہ اسی حد تک محدود تھا جو ایک صادق دوست اپنے دوست کو خیر خواہانہ مشورہ دینا اپنا فرض منصبی جانتا ہے، لیکن اس تحریر سے معلوم ہوا کہ وہ صورت فی الحال نظر نہیں آتی، اور طویل دو ہزار کا نقصان، وہ بھی حالتِ موجودہ میں، اور نتیجہ صرف اس قدر کہ مسٹر حیدری کی ملاقات یا بیش از بیش یونیورسٹی اسکیم کے متعلق گفتگو۔ اس کے لیے میں بھی کسی طرح یہ رائے دینے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا کہ خواہ مخواہ اتنا بڑا نقصان گوارا کیا جائے۔

حسرتیں بھی ہیں بستۂ امید   ناامیدی میں کیا کرے کوئی!

"دنیا محض امید پر قائم ہے۔ اس سے پہلے میرا یہی خیال تھا کہ جب کسی قسم کی خاص امید ہے تو بوسہ بہ پیغام سے کام نہیں چلتا۔ برای العین یہاں آکر سعی کی جائے تو اپنے مقصد میں کامیابی کی توقع بہ سہولت ہو سکتی ہے۔ جب وہ امید ہی نہیں تو بجز حسرت و یاس اور سکوت کے کیا کہہ سکتا ہوں!

"بایں ہمہ یہ دعا ضرور کرتا ہوں کہ خدا کرے دکن کو بہت جلد آپ کی ضرورت محسوس ہو اور نہ صرف محسوس ہی ہو بلکہ عملی طور پر اس احساس کا اظہار بھی ہو جائے...[۵۷]" (خط — اس پر تاریخ درج نہیں)

اقبال کے مختلف افراد کے نام لکھے جانے والے خطوط اس امر کے ظاہر ہیں کہ اقبال نے حیدر آباد میں جج حاصل کرنے کے لیے جائز حدود کے اندر رہ کر کوشش کی۔ کیوں کہ انھیں وہاں ملازمت کے حصول کا پکا یقین نہیں ہوا تھا، اس لیے وہ خود وہاں نہیں گئے، لیکن اپنے خطوط اور اپنے واقف کاروں کے اثر و رسوخ سے

---

۵۴ اقبال اور بھوپال — صبا لکھنوی، ص ۸۲   ۵۵ ایضاً

۵۶ حیدر آباد میں اقبال کی ملازمت کی صورت

۵۷ شاد اقبال — مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور — ص ۶۷، ۶۸

مزید مفادات اٹھانے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں انھوں نے عطیہ فیضی سے بھی تحریری مدد لی اور اس مدد کو عطیہ فیضی کی زبانی سنیے، جو اس نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے:

"اس وقفے میں کوئی اہم واقعہ رونما نہیں ہوا، سوائے اس کے کہ اقبال نے مجھے لکھا تھا کہ وہ حیدرآباد جانا چاہتے ہیں اور مجھ سے تعارفی خط طلب کیا تھا۔ میں نے ایک خط انھیں بھیج دیا تھا جس میں میں نے اپنے پھوپھی زاد بھائی اور بہن مسٹر اور مسز حیدری سے ان کا تعارف کرایا تھا (سر اکبر حیدری اس زمانے میں حیدرآباد (دکن) کے وزیر مالیات تھے)، مجھے ایسا معلوم ہوا کہ اقبال حیدرآباد کے گرویدہ ہو گئے ہیں اور وہ اس نظر فریب بھڑک سے متاثر نظر آتے ہیں جو ہندوستانی ریاستیں باہر والوں کو دکھانے کی عادی ہیں۔ مجھے اندیشہ تھا کہ اقبال اپنی توجہات کو معمولی کاموں کے لیے وقف کر دیں گے، بجائے اس کے کہ وہ انھیں اعلیٰ مقاصد کے لیے استعمال کریں۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ مالی مشکلات میں مبتلا ہیں، اور ممکن ہے کہ جس آدمی کی راہ میں اس قسم کی مشکلات ہوں، وہ ہر اس تنکے کا سہارا لیتا ہے جو اس کی راہ میں آتا ہے، اس لیے انھیں سخت الفاظ میں سرزنش کی تھی۔ جو خیال اس کی تہ میں کارفرما تھا یہ تھا کہ وہ کسی ریاستی ترغیب و تحریص کے پھندے میں نہ پھنس جائیں[۵]"

اقبال نے کچھ اور افراد کو لکھے جانے والے خطوط میں بھی حیدرآباد میں ملازمت کے حصول کے بارے میں ذکر کیا ہے، جیسا کہ عطیہ بیگم کی ڈائری سے لیے گئے مذکورہ اقتباس سے ظاہر ہے۔ اقبالؒ مالی مشکلات کا شکار تھے، لیکن اقبال نے حیدرآباد میں ملازمت پانے کی خاطر کہیں بھی کوئی اپنے ذاتی وقار کے خلاف انداز اختیار نہیں کیا۔

اقبال کو حیدرآباد ہائی کورٹ کی ججی مل بھی جاتی تو بھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی مالی حالت واقعی بہتر ہو جاتی، کیوں کہ ریاستوں میں روپیہ حاصل کرنے کے جو طریقے ہوتے ہیں، اقبال ان سب طریقوں سے فطرتاً محروم بلکہ متنفر تھے۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد (اس وقت کے وزیر اعظم حیدرآباد دکن) کے اقبال کے نام خطوط پڑھیں تو جگہ جگہ اس امر کا پتا چلتا ہے کہ شاد نہ صرف خوشحال ہی نہ تھا بلکہ قرض میں گرفتار تھا اور بار بار یہ لکھتا تھا کہ خدا کرے کہ اس کے مرنے سے پہلے کسی طرح اس کا قرض اتر جائے۔ ہمارے نزدیک اس کے ایک اتنی امیر ریاست کے وزیر اعظم ہونے کے باوجود مقروض ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ اولیاء اللہ کو نہ صرف ماننے والا بلکہ ان کی تعظیم و

---

۵ اقبال از عطیہ بیگم۔ مترجم ضیاء الدین احمد برنی۔ ص ۶۳، ۶۴

ایمان دار کی پر عمل پیرا تھا۔ جو حیدر آباد کی ملازمت حاصل کرکے بھی اقبال بحیثیت ملازمت کا حسب سابق شکار رہتے بلکہ ان کی ذہنی صورت حال بھی بدل جاتی اور معدوم ہو جاتی ان کی شاعری کی تخلیق سے ہٹ جاتے۔ اور امت مسلمہ کو ایک فکری نقصان کا سامنا کرنا پڑتا۔ علامہ نے غالباً انہی خیالات کے پیش نظر کسی بھی ریاست میں ملازمت اختیار کرنے سے سختی سے گریز کیا تھا کیونکہ ان کے علم میں تھا کہ ملازمت میں مالی ریاست کے علاوہ ہر فرد ایک کٹھ پتلی ہوتا ہے۔

جو لوگ اقبال کے حیدر آباد میں ملازمت کے حصول کی کوششوں پر اعتراض کرتے ہیں (اسے اقبال کے فلسفہ خودی کے خلاف قرار دیتے ہیں) دراصل وہ لوگ اصل حقیقت کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک کوشش کرنا بھی خلاف خودی ہے۔ ان کی یہ فکر غیر اسلامی بھی ہے اور اقبال کی بھی۔ یہ لوگ اس تصوف سے متاثر ہیں جسے "منفی تصوف" کہا جاتا ہے، جو ترک دنیا کی تلقین کرتا ہے اور جو ہندو فلسفے کے جوگ، بدھ مت اور جین مت کی تعلیمات (مانی ازم، کیتھولک اور قدیم عہد کے تارک الدنیا انسانوں سے متاثر ہے۔ اقبال کا فلسفہ خودی اور اسلامی تعلیم میں کوئی مغایرت نہیں۔ یہ دونوں ہی انسان کو عملی زندگی میں اپنے حقوق جائز طریق پر حاصل کرنے کی نہ صرف اجازت دیتے ہیں بلکہ ایسا کرنے پر زور دیتے ہیں۔ اقبال نے حرکت اور عمل کو زندگی کا دوسرا نام قرار دیا ہے، اس طرح یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ بطور ایک ایمان دار انسان کے اقبال نے حیدر آباد (دکن) میں ایک ایسی ملازمت کے حصول کی خواہش اور ہر اعتبار سے جائز طریقہ جائز حد سے بھی کم) کوشش کی جس کے وہ ہر طرح سے اہل تھے۔ ان کے اس فعل پر کسی طرح کا اعتراض کرنا اسلامی تعلیمات اور فکر اقبال سے نابلد ہونے کے مترادف ہے۔ اقبال ایک مفکر، فلسفی، شاعر، ماہر قانون اور فدائے امت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک انسان بھی تھے جن کے بیوی، بچے اور دنیا کی جائز ضرورتیں بھی تھیں۔ جنھوں نے اپنی بیرسٹری میں ایسے مقدمات پر اپنے دروازے ہمیشہ کے لیے ہر حال میں سختی سے بند کر دیے تھے جو جھوٹے ہوتے تھے۔ وہ اگر چاہتے تو یورپ کے کسی ملک میں ملازمت اختیار کرکے خوش حال زندگی گزار سکتے تھے، مگر انھوں نے مسلمانوں کی زبوں حالی کو اپنے حساس دل کی گہرائیوں میں ایسے سمو لیا کہ ملت محمدیہ کا یہ زخم و غم ان کے مرنے کے بعد بھی ان کے پہلو سے جدا نہ ہوا۔ اور وہ اپنی عمر کے آخری لمحات میں بھی یہ کہتے رہے کہ امت محمدیہ کے دکھوں کو ان کی طرح سمجھنے والا

دگر دانائے راز آید کہ نہ آید

اقبال نے [illegible] کے لیے [illegible] ایک ملازمت حاصل کرنے کی خواہش [illegible]
[illegible] کو قبول نہ کیا تھا۔ انھوں نے قوم فروشی کا جرم [illegible]
[illegible] کرنا ہے !! اقبال نے [illegible]
اس [illegible] حیدرآباد (دکن) سے [illegible] تھی۔ اقبال نے [illegible]
[illegible] اقبال کی زندگی کا [illegible]
[illegible] "سر" کا خطاب دیا [illegible] لوگوں کو اقبال کی ملازمت [illegible]
[illegible] اقبال [illegible] اس وقت [illegible] انگریز [illegible]
"[illegible]" [illegible] جب اقبال کو "سر" کا خطاب ملنے کی خوشی [illegible] لوگوں
[illegible] اقبال نے [illegible] جو شعار [illegible] اقبال نے [illegible]
[illegible] اگر اقبال اپنی فکر کے خلاف [illegible] حیدرآباد جانے کی
[illegible] انگریز [illegible] "سر" کا خطاب [illegible] انگریز کی طرف جھک جاتے تو
[illegible] بڑے سے بڑے عہدے کا دروازہ
بھی ان پر کھول دیا جاتا۔ لیکن [illegible] نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنی اسلامی و درویشانہ حالت کو برقرار رکھا۔
حیدرآباد کی بھی [illegible] کے سلسلے میں دو باتوں کو سامنے رکھنا اور ان کا ذکر کرنا ضروری ہوگا۔ ایک یہ کہ حیدرآباد
(دکن) کی ملازمت کے سلسلے میں اقبال نے جن افراد سے خط و کتابت کے ذریعے ان کے اثر و رسوخ کو استعمال
کرنے کی کوشش کی، ان میں [illegible] مہاراجہ سر کشن پرشاد شاد اور سر اکبر حیدری نمایاں بھی ہیں اور اہم بھی۔ یہ حقیقت
ہے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک کا نظام دکن پر اتنا اثر تھا کہ وہ جس کسی کی بھی سفارش کرتا، یہ تقریباً ناممکن تھا کہ
نظام اس کی سفارش قبول نہ کرتا اور اس شخص کو ملازمت نہ دیتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تینوں شخص ہی اقبال
کے گہرے دوست ہونے کے باوجود انھیں نہ جج بنوا سکے اور نہ قانون کی پروفیسری۔ اس کی وجہ صاف اور
واضح ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے کسی نہ کسی مصلحت کی بنا پر نظام کے پاس اقبال کی سفارش نہیں کی ہوگی۔
اس سلسلے میں یہاں ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ عبداللہ قریشی صاحب نے گرامی کے ایک خط کی کچھ عبارت
نقل کی ہے۔ اس عبارت کا ایک حصہ ملاحظہ ہو:
" افسوس ہے حضور کے دربار عالی شان سے ہمارے جالندھری سید السادات محروم رہے۔ گرامی کی دعوت

فاب میں یہ ہے! حیدرآباد میں گرامی نے جس کی سفارش کی، وہ کامیاب ہوگیا۔ والسلام[۵۹]

اقبال غیر معمولی طور پر قابل ہونے کے ساتھ ساتھ ایمان دار بھی تھے۔ اگر وہ جج پر فائز ہو جاتے تو یہ بات حقیقت سے بعید نہیں کہ ان کی ایمان دارانہ روش ان لوگوں کو نہ صرف پسند نہ آتی بلکہ ان کے مفادات اور دھاندلیوں سے بھی متصادم ہوتی۔ ہو سکتا ہے کہ اس بنا پر بھی انھوں (گرامی، شاد، حیدری وغیرہ) نے اقبال کا حیدرآباد میں اور خصوصاً جج کے منصب پر فائز ہونا پسند نہ کیا ہو!

اس کے علاوہ اگر گرامی اور سرکشن پرشاد شاد کے زیرِ بحث مسئلے کے سلسلے میں خطوط کا بغور مطالعہ کریں تو یہ تحریریں یہ حقیقت واشگاف کرتی ہوئی ملیں گی کہ اقبال سے اپنے تعلقات کی بنا پر وہ انھیں دو ٹوک جواب نہیں دے رہے تھے۔ کیوں کہ آدمی عالم و فاضل تھے اور زبان و بیان اور فکری میدان میں بھی اچھی دسترس رکھتے تھے، اس لیے اپنے دیے کی حقیقت کو چھپاتے اور اقبالؒ کو ایک طرح سے ٹالتے رہے۔ حیدری کی اقبال کو قانون کی پروفیسری کی پیش کش بھی اسی فکر اور عمل کی ایک کڑی معلوم ہوتی ہے۔ اقبال کے خلوص اور ایمان دارانہ سوچ نے ان لوگوں کی ذہنیتوں کو ان پر واضح ہونے سے پردے میں رکھا، اور اقبال یہی سمجھتے رہے کہ وہ لوگ ان کے لیے کوشاں ہیں۔

دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ عطیہ بیگم کو اقبال کی مالی مشکلات کا علم تھا، مگر وہ نہیں چاہتی تھی کہ اقبال کسی بھی ریاست کی ملازمت اختیار کریں، کیوں کہ (جیسا کہ اس نے خود لکھا ہے) اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ریاستی ماحول میں اقبال اقبال نہیں رہیں گے۔ انھوں نے خطوط کے ذریعے اقبالؒ کو ریاستی ملازمت اختیار کرنے سے سختی سے روکا۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ عطیہ نے دنیا اور خصوصاً مسلمانوں پر یہ احسان کیا کہ اقبال کو ریاستی ملازمت سے روکنے میں اپنا کردار اچھی طرح ادا کیا۔

اس مقام پر یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ کسی نہ کسی وجہ یا وجوہ سے اقبال نے ریاستی (بلکہ کوئی بھی) ملازمت اختیار نہ کی اور ملی فریضے کو احسن طور پر ادا کر گئے، مگر خود تقریباً زندگی بھر مالی مشکلات کا شکار رہے۔ افسوس کہ جس قوم کے لیے انھوں نے یہ سب کچھ کیا، اس قوم کی غفلت شعاری کا یہ عالم رہا کہ اس کے صاحبِ حیثیت اور صاحبِ ثروت لوگوں کو اتنا سوچنے کی بھی توفیق نہ ہوئی کہ وہ اقبال کے ملی فریضے میں اغراق کے پیشِ نظر انھیں کسی بہلنے، کسی انداز میں مالی پریشانیوں سے فارغ کر دیتے۔

---

۵۹ مکاتیبِ اقبال بنام گرامی۔ مرتبہ عبداللہ قریشی، اقبال اکادمی، کراچی، ص ۱۷۲

ہاں اگر اقبال کی مالی مشکلات کا ذکر چل ہی نکلا ہے تو اس مقام پر اس مالی اعانت کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے جو سرسید کے پوتے راس مسعود کی کوشش سے انھیں ۱۹۳۵ء میں ریاست بھوپال سے تاحیات حاصل ہوئی۔

اقبال کو اپنے گلے اور آواز کی بیماری کے سلسلے میں ۱۹۳۵ء میں بھوپال کے والی نواب حبیب اللہ نے علاج کی غرض سے اپنے پاس بلایا، کیوں کہ دیگر نیازمندوں کی طرح ان (راس مسعود) کو بھی اقبال کی مسلسل علالت سے پریشانی تھی۔ وہاں حمیدیہ ہسپتال کے ماہر ڈاکٹروں سے مشورے کے بعد انھوں نے اقبال سے بھوپال آکر علاج کرانے پر اصرار کیا۔ نواب صاحب بھوپال بھی اقبال کی علالت سے فکرمند تھے، اور ان کی خواہش بھی یہی تھی کہ اقبال بھوپال میں آکر علاج کرالیں۔۔۔"[۱۰]

اقبالؒ کے راس مسعود (بھوپال کے وزیر تعلیم و صحت و امور عامہ) سے گہرے اور بے تکلفانہ مراسم تھے۔ اقبال اپنے علاج کی غرض سے پہلی دفعہ ۳۱ جنوری ۱۹۳۵ء کو بھوپال گئے اور ۷ مارچ ۱۹۳۵ء تک وہاں راس مسعود کے مہمان کے طور پر قیام کیا۔

اقبال اس زمانے میں قرآن مجید کے حواشی لکھنا چاہتے تھے، اور اس کام کے لیے یکسوئی اور فراغت کے طالب تھے۔ مالی دشواریوں کی وجہ سے یہ یکسوئی اور فراغت میسر نہ آتی تھی۔ قلبی اور بے تکلفانہ مراسم کے باعث راس مسعود ان کی مالی دشواریوں سے واقف ہو گئے۔ انھوں نے نواب بھوپال حبیب اللہ خاں سے اقبال کے قرآن مجید کے حواشی لکھنے کے ارادے اور اُن کی مالی مشکلات کا ذکر کر کے آخر کار ان کے لیے ریاست سے پانچ سو روپے ماہوار تاحیات کا وظیفہ مقرر کروا دیا۔ وظیفے کے اجرا کی اطلاع کے جواب میں اقبال نے راس مسعود کو ۳۰ مئی ۱۹۳۵ء کو لکھا:

"آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ میں کس زبان سے اعلیٰ حضرت کا شکریہ ادا کروں، انھوں نے ایسے وقت میں میری دست گیری فرمائی جب کہ میں چاروں طرف سے آلام و مصائب میں محصور تھا۔ خدا تعالیٰ ان کی عمر و دولت میں برکت دے۔"[۱۱]

اس زمانے میں اقبالؒ کس قدر مالی مشکلات میں مبتلا تھے، اس کا کچھ اندازہ درج ذیل سطور سے لگایا جا سکتا ہے:

---

[۱۰] اقبال اور بھوپال۔ صہبا لکھنوی۔ ص ۵۲ [۱۱] ایضاً۔ ص ۸۷

اقبال نے اپنے علاج کی غرض سے پہلی بار ۳۱ جنوری ۱۹۳۵ء سے ۸ مارچ ۱۹۳۵ء تک بھوپال میں قیام کیا۔ اس قیام کے دوران راس مسعود ان کی مالی مشکلات سے آگاہ ہوئے اور انھوں نے اقبال سے وعدہ کیا کہ وہ نواب بھوپال حمید اللہ خاں سے انھیں وظیفہ دلانے کی سعی کریں گے۔ بھوپال سے لاہور آنے کے چند ہفتے بعد اقبال اپنی مالی مجبوریوں کے باعث زیادہ عرصہ تک انتظار نہ کر سکے اور انھوں نے اپنی علالت کے دوران ۲۰ مارچ ۱۹۳۵ء کو راس مسعود کو خط لکھتے ہوئے آخر میں یہ عبارت لکھی۔

"... معاملہ[12] معلومہ کی نسبت آپ کو کوئی اطلاع ملی؟ میں اس خط[13] کا، جو اس ماہ کے آخر میں آپ نے مجھے لکھنا چاہتے ہیں، بے تابی سے منتظر ہوں۔"

جب مذکورہ بالا ۲۰ مارچ ۱۹۳۵ء کو تحریر کردہ خط کا جواب ایک ہفتے تک نہ آیا، تو اقبال نے راس مسعود کو عجلت میں ایک خط ۲۹ مارچ ۱۹۳۵ء کو تحریر کیا۔ اس خط کا پہلا پیراگراف یہ ہے:

"ڈیر مسعود! کئی دن ہوئے میں نے ایک خط آپ کو لکھا تھا، مگر تا حال جواب نہیں آیا، شاید خط آپ کو نہ ملا ہو، کیوں کہ ان دنوں آپ بھوپال میں نہ تھے، والدہ ماجدہ[14] کی علالت کی وجہ سے علی گڑھ چلے گئے تھے۔ بہر حال اگر وہ خط مل گیا ہو، تو جواب لکھیے۔ شاید آپ حیدر آباد سے کسی جواب کے منتظر ہوں گے۔ آپ کا خیال تھا کہ مارچ (۱۹۳۵ء) کے آخر میں آپ قطعی کسی فیصلہ کی اطلاع دے سکیں گے۔ میرے حالات اس امر کے مقتضی ہیں کہ کوئی نہ کوئی فیصلہ ہو۔ گو میں آپ سے چھپا نہیں سکتا کہ مجھے اس طرف[15] سے ناامیدی ہے۔ غرض کہ میں آپ کے جواب کا شدت سے منتظر ہوں۔"[16]

راس مسعود نے اقبال سے کہا تھا کہ وہ کوشش کریں گے کہ انھیں (اقبالؒ کو) بھوپال کے علاوہ حیدرآباد (دکن)، سر آغا خاں اور ریاست بہاول پور سے بھی وظائف دلائیں۔ اس خط میں اقبال نے حیدر آباد دکن کے سلسلے میں مایوسی کا اظہار کیا ہے، کیوں کہ ۱۹۱۷ء میں وہاں جج کے عہدے کے حصول کے سلسلے میں انھیں تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔

---

[12] مراد ہے اقبال کے لیے بھوپال سے وظیفے کا اجرا

[13] مذکورہ وظیفہ کے متعلق خط

[14] راس مسعود کی والدہ

[15] مراد ہے ریاست حیدر آباد دکن سے اقبالؒ کے لیے وظیفے کا اجرا

[16] اقبال اور بھوپال ۔ صہبا لکھنوی ۔ ص ۷۷

اقبال کے وظیفے پر تبصرہ کرتے ہوئے صہبا لکھنوی صاحب لکھتے ہیں :

" راس مسعود سے اقبال کے ذاتی اور خانگی مسائل پوشیدہ نہ تھے۔ قیام بھوپال (۳۱ جنوری ۱۹۳۵ء سے ۷ مارچ ۱۹۳۵ ء) کے دوران ان مسائل پر تفصیل سے گفت گو ہو چکی تھی، اور راس مسعود کوشاں تھے، کہ ریاست بھوپال کے علاوہ ریاست حیدرآباد، ریاست بہاول پور اور سر آغا خاں ان کا ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیں، تاکہ وہ قرآن کریم پر عہد حاضر کے افکار کی روشنی میں اپنے نوٹ تیار کر سکیں، جس کا تذکرہ انھوں نے بھوپال کے دوران قیام راس مسعود سے کیا تھا۔"[۱۷]

اقبال کو حیدرآباد دکن سے وظیفہ نہ ملنے پر حیدرآبادی اپنی کتاب " اقبال اور حیدرآباد" میں لکھتے ہیں:

" حضور نظام سے لے کر ایک عام حیدرآبادی کی خواہش اور تمنا کے باوجود اقبال حیدرآباد میں مستقل قیام نہ کر سکے۔ لیکن اس کا ملال سبھی کو رہا کہ اقبال کے شایان شان عہدہ کے "اختراع" اور "تجسس" نے (جو سرکار عظمت مدار" ــــ برطانیہ کے نمائندہ حیدرآباد کے اشارے سے کبھی وجود میں نہ آسکا) ایک سامنے کی بات کو اکابر دکن کی نظروں سے اوجھل کر دیا، اور وہ سیدھی سی بات تھی ان کے لیے معقول وظیفہ کا اجرا ــــ اور یہ بات کچھ ایسی مشکل بھی نہ تھی، اور نہ اس سے کسی کو "خوف" ہو سکتا تھا۔ دیگر مشاہیر سے قطع نظر خود پنجاب کے ایک شاعر حفیظ[۱۸] جس ملک سے ماہانہ وظیفہ پا سکتے تھے؛ وہاں اقبال کے لیے کسی وظیفہ کا اجرا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ کسی کو سوجھا ہی نہیں، اور سوجھا بھی تو اس وقت جب ریاست بھوپال نے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔"[۱۹]

اقبالؒ نے ۲۶ اپریل ۱۹۳۵ء کو لاہور سے راس مسعود کو ایک خط میں لکھا :

" ... آپ نے میرے متعلق جس دلچسپی[۲۰] کا اظہار فرمایا اس کے لیے آپ کے لیے ممنون ہوں۔ اگرچہ مجھے آپ سے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ مجھے اس سلسلے میں کامیابی[۲۱] کی کچھ زیادہ توقع نہیں۔ مجھے کچھ عرصہ پہلے تو اس خیال سے

---

[۱۷] اقبال اور بھوپال۔ صہبا لکھنوی۔ ص ۸۱

[۱۸] ابو الاثر حفیظ جالندھری

[۱۹] اقبال اور حیدرآباد ــــ نظر حیدرآبادی۔ ص ۲۰، ۲۱ (بحوالہ اقبال اور بھوپال ــ صہبا لکھنوی ــ ص ۸۲)

[۲۰] مراد ہے اقبال کے لیے وظیفے سے دلچسپی [۲۱] حیدرآباد سے وظیفے کے اجرا کی طرف اشارہ ہے۔

مسرت تھی، کہ آپ کے اس کوشش میں کامیاب ہونے کی قوی اُمید تھی، اور اس طرح میرے لیے ممکن ہو سکتا تھا کہ میں قرآن کریم پر عہدِ حاضر کے افکار کی روشنی میں اپنے وہ نوٹ تیار کر لیتا جو عرصہ سے میرے زیرِ غور ہیں۔ لیکن اب تو نہ معلوم کیوں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ میرا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ اگر مجھے حیاتِ مستعار کی بقیہ گھڑیاں وقف کر دینے کا سامان میسر آجائے تو میں سمجھتا ہوں قرآنِ کریم کے ان نوٹوں سے بہتر میں کوئی پیش کش مسلمانانِ عالم کو نہیں کر سکتا۔[۲۲]

اقبال کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ۲۳ مئی ۱۹۳۵ء کو ساڑھے پانچ بجے بعد دوپہر ہوا، اور اقبال کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو گیا ـــ ایسے حالات و واقعات میں اپنی ذہنی کیفیات کو، ۳۰ مئی ۱۹۳۵ء کو راس مسعود کو خط لکھتے ہوئے یوں برنگِ دیگر بیان کرتے ہیں :

"چراغِ سحر ہوں، بجھا چاہتا ہوں۔ تمنا ہے کہ مرنے سے پہلے قرآن کریم سے متعلق اپنے افکار قلم بند کر جاؤں جو تھوڑی سی ہمت و طاقت ابھی مجھ میں باقی ہے، اسے اسی خدمت کے لیے وقف کر دینا چاہتا ہوں تاکہ (قیامت کے دن) آپ کے جدِ امجد (حضور نبی اکرمؐ) کی زیارت مجھے اطمینانِ خاطر کے ساتھ میسر ہو کہ اس عظیم الشان دین کی جو حضورؐ نے ہم تک پہنچایا کوئی خدمت بجا لا سکا۔"[۲۳]

مذکورہ بالا خط کے پردے میں اقبال نے اپنے وظیفے کی اجرا کی طرف اشارہ کیا ہے، کیوں کہ بھوپال سے وظیفہ قرآنِ مجید کے حواشی لکھنے کی بنا پر دینا قرار پایا تھا۔

اسی روز یعنی ۳۰ مئی ۱۹۳۵ء کو راس مسعود کا خط ملا، جس میں اقبال کو ان کے لیے بھوپال سے تاحیات پانچ سو روپے ماہوار کے وظیفے کے اجرا کی اطلاع درج تھی۔ یہ خبر پا کر اقبال کا ذہنی ردِعمل ان کے درج ذیل خط سے ظاہر ہے، جو انھوں نے اسی دن راس مسعود کو تحریر کیا :

"آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ میں کس زبان سے اعلیٰ حضرت[۲۴] کا شکریہ ادا کروں! انھوں نے ایسے وقت میری دست گیری فرمائی جب کہ میں چاروں طرف سے آلام و مصائب میں محصور تھا۔ خدا تعالیٰ ان کی عمر و دولت میں برکت دے۔ ہندوستان کے مسلمان شرفا میں سے کون ہے جو اعلیٰ حضرت کا اور ان کے دودمانِ عالی کا ممنونِ احسان نہیں[۲۵]

۲۲ھ اقبال اور بھوپال۔ صہبا لکھنوی۔ ص ۸۴ ۲۳ھ ایضاً۔ ص ۸۷

۲۴ھ نواب حبیب اللہ خاں، والی بھوپال

۲۵ھ اقبال اور بھوپال۔ صہبا لکھنوی۔ ص ۸۷

اس مقام پر یہ بات خصوصیت سے قابل توجہ ہے کہ ریاست حیدرآباد اور ریاست بھاول پور دونوں ہی اقبال کو وظیفہ دینے کے لیے تیار نہ ہوئیں۔ بھوپال کے وظیفے کے بعد سر آغا خاں نے اقبال کو ایک وظیفہ دینا چاہا، مگر اقبال نے یہ کہہ کر سر آغا خاں کا وظیفہ قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ ان کے اخراجات کے لیے بھوپال کا پانچ سو روپے ماہوار کا وظیفہ ہی کافی ہے۔ اس سلسلے میں اردو ادب کے نقاد و ادیب خواجہ غلام السیدین لکھتے ہیں:

"سر راس مسعود کی خواہش تھی کہ اقبال کو آخری عمر میں اطمینان کے ساتھ ادبی اور علمی کام کرنے کا موقع ملے، اور کسی طرح فکر معاش سے آزادی حاصل ہو جائے۔ ان کی توجہ دلانے سے نواب صاحب بھوپال اور ایک دوسرے دولت مند رئیس[۵۲۶] نے یہ سعادت حاصل کرنی چاہی کہ وہ ان کا وظیفہ مقرر کر دیں۔ اقبال بمشکل بھوپال کی کمتر رقم کو اس سے دوچند رقم کے مقابلے میں قبول کرنے پر راضی ہوئے۔ اور وجہ یہ بیان کی کہ اوّل تو اتنی رقم میری ضروریات کے لیے کافی ہے، میں زیادہ کیوں لوں! دوسرے جب تک میرے دل میں کسی شخص کی کوئی خاص وقعت نہ ہو، اس کی امداد قبول نہیں کر سکتا۔ یہ تھا غیرت فکر کا تقاضا ایک ایسے زمانے میں جب روپے کے بازار میں تقریباً ہر شخص کی قیمت لگائی جا سکتی ہے اور بڑے بڑے مشاہیر منصب وجاہ و دولت کی خاطر ہر قسم کا "ایثار" کرنے کو تیار رہیں۔"[۵۲۷]

اب اندازہ لگائیں کہ جن مالی مشکلات نے اقبال کو ۱۹۱۷ء میں اپنے گھر سے بیچنے پر مجبور کر دیا تھا، انھوں نے ۱۹۳۵ء تک پہنچتے پہنچتے انھیں ایک "وظیفہ خوار" بننے پر مجبور کر دیا۔ یہ وظیفہ ان پر کوئی احسان نہ تھا، بلکہ ایک مسلمان امیر نے اس عظیم زیادتی کی معمولی سی تلافی کی جو مسلمان قوم اور خصوصاً نظام حیدرآباد (دکن) نے اقبال کی مالی حالت کی طرف سے لاپروا ہو کر ان پر کی تھی۔

اقبال کا فقر و غیرت اصولی بھی تھا اور عملی بھی۔ اس کی ایک زندہ و تاریخی مثال پیش کی جاتی ہے۔ جب اقبالؒ کی حیات ہی میں "یوم اقبال" منایا گیا، اس موقع پر حیدرآباد (دکن) نے ایک عجیب قدم اٹھایا۔ اس وقت نظام حیدرآباد کا توشہ خانہ سر اکبر حیدری کے زیر اہتمام تھا، اور وہ اس توشہ خانے کے سیاہ و سفید کا مختار کل تھا۔ اس نے اس یوم اقبال کے موقع پر شاہی توشہ خانے کے خزانے سے ایک ہزار روپے کا چیک اقبالؒ کو بطور "تواضع" ارسال کیا۔ چونکہ اس رقم کے بھیجنے کا کوئی جواز نہ تھا، اس لیے اقبال نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور یہ

---

۵۲۶ مراد ہے سر آغا خاں

۵۲۷ اقبال اور بھوپال ۔ صہبا لکھنوی۔ ص ۹۲

ہزار روپے کا چیک واپس کرتے ہوئے اس کے ساتھ اپنے درج ذیل اشعار بھی بھیجے۔ یہ اشعار قارئین کرام کے پیش کیے جاتے ہیں :

سر اکبر حیدری صدرِ اعظم حیدر آباد دکن کے نام

"یومِ اقبال" کے موقعے پر توشہ خانۂ حضورِ نظام کی طرف سے جو صاحب صدرِ اعظم کے ماتحت ہے، ایک ہزار روپے کا چیک بطور "تواضع" موصول ہونے پر :

تھا یہ اللہ کا فرماں کہ شکوہِ پرویز
دو قلندر کو کہ ہیں اس میں ملوکانہ صفات
مجھ سے فرمایا کہ لے اور شہنشاہی کر
حسنِ تدبیر سے دے آنی و جانی کو ثبات
میں تو اس بارِ امانت کو اٹھاتا سرِ دوش
کامِ درویش میں ہر تلخ ہے مانندِ نبات
غیرتِ فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے یہ ہے میری خدائی کی زکات [۴۸]

۴۸ھ ارمغانِ حجاز ۔ اقبال ۔ ص ۴۸

اپیل

اپنے ان احباب و اقربا کے نام اور مکمل پتے ہمیں لکھ بھیجیں جنھیں ادارہ کے مقاصد اور ادارہ کی مطبوعات سے دلچسپی ہو۔ ہم اردو اور انگریزی زبان میں بہترین اسلامی کتب کی فہرست انھیں مفت بھیجیں گے۔

سیکرٹری : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ ، کلب روڈ لاہور